قران السعدین اور امیر خسرو کا فن وصف نگاری

ڈاکٹر محمد ناصر
صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
شبانہ کشور
پی ایچ ڈی اسکالر (فارسی)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

QIRAN AL-SA'DAIN AND
AMIR KHOSROW'S ART OF DESCRIPTION

Muhammad Nasir, PhD
Chairman Department of Persian
University of the Punjab, Lahore

Shabana Kishwar
PhD Scholar (Persian)
Department of Persian, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Qiran al-Sa'dain by Amir Khosrow was written at the request of Sultan Kaiqubad. The poem is based on the reconciliatory meeting of Kaiqubad, the Sultan of Delhi and his father, Bughra Khan, the ruler of Bengal on the banks of the river Sar-e-Ju. Amir Khosrow, being an eye witness, was commissioned by Kaiqubad to capture this historical episode. Qiran al-Sa'dain occupies a unique place in the landscape of Subcontinent's Persian literature. Khosrow adopted an innovative style, aesthetically brilliant and historically significant. The description of Delhi, the triumphal arches, the singing girls, the musical instruments, the gifts exchanged between the father and the son, are some of the illustrious components of this long historical poem.

Keywords:

امیر خسرو، فارسی، ادب، شعر، مثنوی، قران السعدین، پنج گنج، تاریخ ادبیات ایران

امیر خسرو(۶۵۱ھ۔۷۲۵ھ/ ۱۲۵۳ء۔۱۳۲۵ء)(۱) برصغیر کے عظیم ترین فارسی گو شعرا میں سے ایک ہیں، انھوں نے مثنوی قران السعدین کو تقریباً چھ ماہ کے مختصر عرصے میں ۶۸۸ھ کے ماہ رمضان میں مکمل کیا۔

ساختـه گشت از روش خامـه ای　　　　از پـس شـش مـاه چنین نـامـه ای
در رمـضـان شـد بـه سعـادت تمـام　　　　یـافـت قـران نـامـهٔ سـعـدیـن نـام
آنـچـه بـه تـاریـخ ز هـجـرت گذشت　　　　بـود سنـه شش صد هشتاد و هشت
(امیر خسرو،ھ،قران السعدین،۲۳۰)

امیر خسرو فارسی شعر وادب کی تاریخ میں مثنوی کی صنف میں شعر کہنے والے عظیم ترین شعرا میں شمار ہوتے ہیں، اور قران السعدین اس اعتبار سے بھی لائق توجہ ہے کہ یہ ان کی پہلی طویل تاریخی مثنوی ہے(۲) جس کے اشعار کی تعداد ۳۹۴۴ ہے۔

تـا چـو دریـن بـنـگـری ای هوشمند　　　　بیـش و کـمـش بـاز شناسی که چند
وز جــمــل بــاز کـشـایـی شـمــار　　　　نُـه صـد و چـار و چـل و سـه هـزار
(ایضاً،۲۳۷)

مثنوی قران السعدین کو قران نامہ بھی کہا جاتا ہے جبکہ خود امیر خسرو نے اسے مجمع اوصاف کے نام سے بھی پکارا ہے:

چـنـد صـفـت گـویـم و آبـش دهـم　　　　مـجـمـع اوصـاف خـطـابـش دهـم
(ایضاً)

کئی کتب میں قران السعدین کو مثنوی درصفت دہلی کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔(برنی،۴۰) بلاشبہ یہ برصغیر میں لکھی گئی مقبول اور یادگار ترین فارسی مثنویوں میں سے ایک ہے۔امیر خسرو فارسی کے عظیم شاعر نظامی گنجوی (۱۱۴۱ء۔۱۲۰۹ء) کے خمسہ یا پنج گنج (۳) کی پیروی میں پانچ مثنویاں (۴) تخلیق کرنے والے پہلے شاعر ہیں۔ان کے بعد کئی دیگر شعرا نے بھی خمسۂ نظامی کی پیروی کی۔(۵) امیر خسرو کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے نظامی گنجوی کے تتبع کے علاوہ بھی طبع زاد مثنویاں لکھیں۔(۶) ان طبع زاد مثنویوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ سبھی تاریخی نوعیت کی ہیں۔مزید یہ کہ انھوں نے شاعرانہ لطافتوں کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخی واقعات کو صادقانہ پیرائے میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور کہیں بھی حقائق کو نظر انداز نہیں ہونے دیا اور گویا ہر اعتبار سے شاعرانہ تاریخ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایـن سـخـن چند که بیخواست است　　　　شـاعـری نیسـت هـمـه راست است
(ایضاً،۲۴۴)

امیر خسرو نے حالات و واقعات کے بیان میں قاری کے تجسس کو لطافت کے احساس میں سمو دیا ہے۔ انھوں نے مثنوی لکھتے ہوئے جس طرح مختلف مواقع پر برمحل غزلیات کو درج کیا ہے، وہ فارسی شاعری میں ایک نیا، دلکش اور قابل تقلید تجربہ ہے۔ علامہ اقبال نے بھی غالباً امیر خسرو ہی کے تتبع میں اپنی شہرۂ آفاق مثنوی جاوید نامہ میں مواقع کی مناسبت سے متعدد غزلیات شامل کی ہیں۔

مثنوی قران السعدین خوبصورت تصویرکشی اور دلفریب تمثال آفرینی کے اعتبار سے بالخصوص قابل توجہ ہے۔ لفظ ''قران'' کے لغوی معنی اتصال یا ملاپ کے ہیں۔ (آنندراج، دہخدا، عمید، معین) البتہ علم نجوم کی اصطلاح میں آفتاب کے علاوہ باقی سیاروں میں سے کوئی سے دو سعد سیاروں مثلاً مشتری و زہرہ کا کسی ایک جگہ نظر آنا بھی قران کہلاتا ہے۔ (ایضاً)، اور ''سعدین'' کا مطلب ہے دو خوش قسمت۔ (ایضاً) شاعر نے دو بادشاہوں یعنی بغرا خان اور کیقباد کی یادگار ملاقات کو ملک و ملت کے لیے موجب سعادت و خوش بختی قرار دیا ہے۔ (امیر خسرو، ھ،۱۴۴) اور اصطلاح کے طور پر اسے قران السعدین یعنی دو خوش قسمت ستاروں کا اجتماع قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

شاعر نے دریائے سرجو کے دونوں کناروں پر ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو سلطان معزالدین کیقباد (۱۲۶۹ء۔۱۲۹۰ء) کی فرمائش پر منظوم کیا۔

جسم سخن را بہ ہنر جان دہی | شرح ملاقات دو سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان | قصہ ی من با پدر مہربان

(ایضاً،۲۲۴)

دراصل امیر خسرو کی پہلی مثنوی قران السعدین کا بنیادی موضوع سلطان دہلی معزالدین کیقباد (دوران حکومت: ۱۲۸۷ء۔۱۲۹۰ء) کی اودھ (۷) کے مقام پر دریائے سرجو کے کنارے اپنے والد سلطان لکھنوتی ناصرالدین بغرا خان (دوران حکومت: ۱۲۸۱ء۔۱۲۹۱ء) سے تخت نشینی کے مسئلے پر شدید اختلافات اور بعدازاں نامہ و پیام کے بعد صلح و آشتی اور باہمی ملاقات کا بیان ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۰۰ء۔۱۲۸۷ء) (دوران حکومت: ۱۲۶۶ء۔۱۲۸۷ء) کے انتقال کے بعد اس کا پوتا معزالدین کیقباد تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ معزالدین کیقباد کا باپ ناصرالدین محمود بغرا خان (حاکم بنگال: ۱۲۸۱ء۔۱۲۸۷ء) لکھنوتی کا حکمران تھا۔ جب اسے اپنے باپ غیاث الدین بلبن کے انتقال اور اپنے بیٹے معزالدین کیقباد کی تخت نشینی کی خبر ملی تو اس نے خود کو تخت دہلی کا حقیقی وارث سمجھتے ہوئے دہلی پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ بغرا خان کی لشکرکشی اور ممکنہ تصادم کی خبر سن کر کیقباد بھی اپنی فوج لے کر دہلی سے باہر نکلا، اور شہر اودھ کے قریب دریائے سرجو کے کناروں پر دونوں لشکر صف آرا ہو گئے، لیکن نامہ و پیام کے پُرخلوص تبادلے

کے بعد بالآخر صلح ہوگئی، اور بغرا خان خود اپنے فرزند کیقباد سے ملنے کے لیے آیا اور اُسے اپنی رضامندی سے تخت نشین کر دیا۔ ''یہ بظاہر کوئی اہم یا مہتم بالشان واقعہ نہیں ہے لیکن شاعر کی سحر کاری کو دیکھو، مواد کی کمی اور واقعہ کی قلت کو وصف نگاری کے پردے میں اس طرح سے چھپایا ہے کہ قصے کی بے مائیگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔'' (برنی،۲۳)

مثنوی قران السعدین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصرالدین محمود بغرا خان نے موسم سرما میں دہلی پر فوج کشی کی۔ اطلاع ملنے پر معزالدین کیقباد شکار کرنے اور عسکری تیاریوں کا جائزہ لینے کے ارادے سے دارالسلطنت دہلی سے باہر آ گیا، اور شاہی لشکر کا معائنہ کرنے کے لیے قصر کلوکھری جا پہنچا، جہاں بڑے پیمانے پر شاہی جشن منایا گیا۔ داستان میں اس مقام پر ابتدائی واقعات کا ذکر کیا جاتا تھا، لیکن یہاں تک پہنچتے ہوئے مثنوی قران السعدین کا قاری درحقیقت دارالسلطنت دہلی کے بارے میں کماحقہٗ تفصیلی معلومات حاصل کر چکا ہے۔ وہ موسم کی کیفیت بھی سمجھتا ہے۔ بادشاہ کے جلوس اور شکارگاہ کا نظارہ بھی دیکھ چکا ہے۔ بادشاہ کی محفل عیش و نشاط کا پورا منظر اس کی آنکھوں میں مجسم ہو چکا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شہرِ دہلی دریائے جمنا کے قریب واقع ہے، اور اس شہر کے تین حصار ہیں۔ علاوہ ازیں مسجد جامع، منارہ، اور حوض شمسی جیسے دلکش مقامات بھی ہیں، اور یہ کہ شہر دہلی نہایت آباد اور پُر رونق ہے۔ ''اس واقعہ نگاری کی بدولت اس عہد کے تمدن کی جزئیات پر ایسی روشنی پڑتی ہے جو دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ دربار، جلوس، مجلس شاہی اور فوجی نظام کی گویا چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں۔'' (ایضاً،۲۴)

اس مثنوی کا بنیادی موضوع پدر و فرزند، دو پُرشکوہ بادشاہوں کے درمیان انتشار و اختلاف اور لشکرکشی کے بعد حسن اتفاق سے جنگ و جدل سے گریز اور بعد ازاں صلح و آشتی کا بیان ہے۔ دہلی کا بادشاہ کیقباد اپنی فوج کے ہمراہ دریائے گھاگھرا کے کناروں کے نزدیک اپنے باپ بغرا خان کی فوج سے مقابلہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوتا ہے، بغرا خان اپنے فرزند کے خلاف آمادۂ پیکار ہے، جو خود بھی بنگال کا صوبہ دار ہے، لیکن امیر خسرو کو باپ اور بیٹا دونوں ہی یکساں عزیز ہیں۔ ''امیر خسرو غیر ضروری خون خرابے سے گریزاں ہیں، پس خود امیر خسرو اور چند ایک بہی خواہوں کی مساعی جمیلہ کے سبب خونی معرکہ روک دیا جاتا ہے۔ بغرا خان کو بنگال کا خود مختار حکمران تسلیم کر لیا جاتا ہے، جبکہ اس کا فرزند بدستور دہلی کا حکمران برقرار رہتا ہے، اور اس صلح کا سہرا بجاطور پر امیر خسرو کے سر بندھتا ہے۔'' (جعفری، ریاض،۱۲۵)

مثنوی کا بنیادی موضوع اگرچہ تاریخی نوعیت کا ہونے کے سبب خشک اور عوامی دلچسپی سے عاری تھا، لیکن امیر خسرو کے دلکش انداز بیاں نے اسے شاعرانہ لطافت کی شیرینی عطا کر دی ہے۔ شاعر نے ہر ہر لمحے کی تفصیل کچھ اس انوکھے اور پُر لطف انداز میں پیش کی ہے کہ محض ادب سے دلچسپی رکھنے والے قاری کی توجہ بھی ہرگز منتشر نہیں ہو پاتی اور وہ شاعری کی پُر کیف لطافتوں سے محظوظ ہوتا ہوا تاریخی واقعات کو بھی ذہن نشین کرتا

چلا جاتا ہے۔ ''جس چیز کو خسرو نے وصف نگاری کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نگاری ہے۔ انتخاب جز ئیات اور تفصیل کوائف، یہ دونوں اجزاء وصفت نگاری کی جان ہیں، اور فارسی میں اس مثنوی سے بڑھ کر شاید ہی کہیں موجود ہوں۔'' (برنی، ۲۳)

تاریخی واقعات کو بیان کرنے کے ضمن میں امیر خسرو نے دہلی کی خوبصورت عمارات (امیر خسرو، ھ، قران السعد ین، ۲۸۔۳۰)، شاہی دربار کی شان وشوکت (ایضاً، ۱۳۴۔۱۳۷)، طلا و جواہرات سے مزین تاج ہائے شاہی (ایضاً، ۱۸۹)، بزم ہائے بادہ نوشی (ایضاً، ۱۷۵)، ہندوستان کے خوشگوار اور دلنشیں موسموں (ایضاً، ۳۷، ۵۸، ۷۳، ۸۱، ۱۰۶)، متنوع و خوش ذائقہ پھلوں (ایضاً، ۱۰۹)، طرح طرح کے دیدہ زیب و رنگارنگ پھولوں (ایضاً، ۷۷)، لذیذ و اشتہا انگیز پکوانوں (ایضاً، ۱۸۳)، پرندوں کے سُر یلے نغموں (ایضاً، ۱۷۷)، رواں دواں دریاؤں (ایضاً، ۲۱۶) اور کانوں میں رَس گھولتے آلاتِ طرب و موسیقی (ایضاً، ۱۷۷۔۱۸۰)، اور مزید برآں اس عہد کی عظیم الشان تہذیب وثقافت کی عکاسی کرنے میں گویا وصف گوئی کی انتہا کو چھو لیا ہے۔

شعری و ادبی ارزش و اہمیت سے بڑھ کر مثنوی قران السعد ین کی تاریخی حیثیت اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ بعض نہایت اہم مؤرخین نے اس مثنوی میں درج واقعات کو بعینہ نقل کیا ہے، مثلاً ضیاء الدین برنی (۱۲۸۵ء۔۱۳۵۷ء) نے تاریخ فیروز شاہی اور ملا عبدالقادر بدایونی (۱۵۴۰ء۔۱۶۰۵ء) نے منتخب التواریخ میں اسی مثنوی کے حوالے دیے ہیں۔

قران السعد ین اور وصف نگاری

مثنوی قران السعد ین کی سب سے اہم خوبی وصف نگاری ہے، جسے توصیفی بیانیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ قران السعد ین، تاریخی اور طویل مثنوی نگاری کے میدان میں امیر خسرو کی اولین کاوش ہے۔ بظاہر مثنوی کا مرکزی خیال یعنی باپ اور بیٹے کے درمیان سیاسی اختلاف و انتشار کا احوال قارئین کے لیے دلچسپی کا حامل دکھائی نہیں دیتا، پس امیر خسرو نے قارئین کی ممکنہ عدم دلچسپی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی توجہ کو مبذول کرنے کے لیے واقعات کے پھیکے پن کو دور کرنے کی غرض سے وصف نگاری کے دلکش نمونوں کی مدد سے لفظوں کے دلفریب رنگ بھرے ہیں۔ ''انھوں نے شاعرانہ پابندیوں اور پرانی روایتوں کی قید کے باوجود وصف نگاری میں ایسا کمال کر دکھایا جو ان سے پہلے کسی شاعر کو نصیب نہ ہوا تھا۔'' (مرزا، ۱۸۱)

''وصف نگاری کی ایجاد بھی امیر خسرو ہی کی قوت فکریہ و تجلیہ کا نتیجہ ہے۔ قدیم شعرا محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے۔'' (سلیمان اشرف، سید، ۱۳) ان اقتباسات کو آپس میں جوڑ کر ان سے مجموعی حسن اور لطافت شاید وہ پیدا نہیں کر سکے، لیکن ہر اقتباس اپنی جگہ پر ایک بے مثل اور نادر تصویر ہے۔ درحقیقت اس مثنوی کو لکھنے سے پہلے امیر خسرو کے ذہن میں یہ خیال موجود تھا

کہ وہ اہم تاریخی واقعات کو شاعرانہ انداز میں پیش کریں، چنانچہ انھیں اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ کہتے ہیں: ''وصف اشیا کی نسبت کہتے ہیں کہ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ صفات اشیا کو بیان کر کے اُس کا نام مجمع اوصاف رکھوں، طرزِ سخن میں یہ ایک نئی ایجاد ہوگی۔ چنانچہ اس مثنوی کے ضمن میں وہ خیال پورا کیا ہے، آیندہ اس مضمون پر قلم اُٹھانے کا ارادہ نہیں ہے۔'' (اسماعیل، مقدمہ مثنوی قران السعدین، ۵۹)

بود در اندیشہ ی من چند گاہ | کز دل دانندۂ حکمت پناہ
چند وصف گویم و آبش دھم | مجمع اوصاف خطابش دھم
باز نما یم صفت ھرچہ ھست | شرح دھم معرفت ھر چہ ھست
بفگنم از جیب گھر ھا بہ پیش | تاج خودش سازم و دامان خویش
طرز سخن را روش نو دھم | سکہ ی این فلك بہ خسرو دھم

(امیر خسرو، ھ، قران السعدین، ۲۳۷۔۲۳۸)

اس مثنوی کی وساطت سے امیر خسرو کے عہد کی معاشرت، معیشت اور تہذیب و ثقافت بالخصوص بادشاہوں اور امرا و وزرا کے تکلفات زندگی سے متعلق بہت سی دلچسپ اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دہلی کی بعض اہم عمارات مثلاً جامع مسجد، مینار، حوض شمسی وغیرہ کا ذکر، شہر کی فنون سے آرائش اور رقص و سرود کی محفلوں کے مناظر، آلات موسیقی اور مختلف قسم کی کشتیوں کا بیان جن میں کیقباد اور بغرا خان دریائے سرجو کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آتے جاتے تھے۔ کھانوں، پھلوں اور پھولوں وغیرہ کا وصف، یہ سبھی معلومات امیر خسرو نے بہت خوبصورتی سے پیش کی ہیں۔

امیر خسرو نے اپنے تہذیبی شعور و ادراک کو بروئے کار لاتے ہوئے جذبات و احساسات کی سطح بلند کر دی ہے اور خود بادشاہِ وقت کو سچائی کا احساس دلاتے ہیں۔ انھوں نے جذباتی کیفیات کو شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے حد درجہ محسوس بنا دیا ہے، کچھ یوں کہ اس تاریخی ملاقات کے واقعات سے گریز کر کے دونوں جانب کے فوجیوں کی زندگی کے نقوش بھی اُجاگر کیے ہیں، بالخصوص جزئیات نگاری میں اُن کی فن کاری بے حد متاثر کرتی ہے۔ قران السعدین فنی نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک شاہکار ہے۔ تاریخی واقعات میں حقیقت اور افسانہ دونوں کی خصوصیات شامل ہوگئی ہیں، تاریخ اور اس کے واقعات افسانے کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں اور موضوعات مختلف مناظر میں تقسیم ہو کر تمثیلی انداز میں ظہور پذیر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ''امیر خسرو کی مثنوی نگاری کو تاریخی نقاشی سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا۔'' (برنی، ۲۲)

تغزل کا نہایت اعلیٰ معیار اور مواقع کی مناسبت سے اس کا برملا اظہار بھی مثنوی قران السعدین کی اہمیت کو دو چنداں کر دیتا ہے۔ امیر خسرو کی رومان پسندی بھی قارئین کو از حد متاثر کرتی ہے اور اُن کا جمالیاتی

شعور بھی بھرپور انداز میں اثر انداز ہوتا ہے۔ ممدوح کی ذات کی تحسین وستائش اور شخصیت کی تعریف وتوصیف تو اپنی جگہ ضروری ہی تھی لیکن بات صرف رسمی انداز تک محدود نہیں رہی۔ فنکار ومرقع نگار نے کہانی اور اس کے واقعات کے کئی پہلوؤں کو انوکھے انداز میں پیش کیا ہے، کچھ یوں کہ ممدوح بھی اس افسانے یا داستان کا ایک متحرک کردار بن جاتا ہے۔ اس افسانے میں جزئیات نگاری کی مدد سے محیط وماحول کی تشکیل، تخیل کی پرواز اور بعد ازاں ڈرامائی تصادم کے دوران جذبات کی کشمکش، قاری کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھتے ہیں۔ قران السعدین کے تاریخی ڈرامے میں مناظر تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور ہر منظر اپنا بھرپور نقش اور گہرا تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ انسان اور اس کی انسان دوستی پر مکمل اعتبار اور بھروسہ ہی مثنوی کا بنیادی موضوع ہے۔ بغرا خان اور کیقباد دونوں کی شخصیات کے جوہر کی حتمی شناخت داستان کے آخری مناظر میں ہوجاتی ہے۔

مثنوی میں اصل قصہ کے ضمن میں اشیا کی وصف نگاری موقع بموقع اس فراوانی سے کی گئی ہے کہ اُن اوصاف کا حجم اصل قصہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ وصف نگاری کی دلکشی اور ایک قادر الکلام شاعر کی وسعتِ نظر کو ملاحظہ فرمایئے:

- وصف حضرت دہلی (امیر خسرو، (ھ) قران السعدین، ۲۸)
- وصف مسجد جامع (ایضاً، ۳۰)
- وصف منارہ (ایضاً، ۳۰)
- وصف حوض (ایضاً، ۳۲)
- وصف فصل دی (ایضاً، ۳۷)
- وصف آتش (ایضاً، ۳۹)
- وصف شہر نو وقصر نو (ایضاً، ۵۴)
- وصف فصل خزان (ایضاً، ۵۸)
- وصف فصل بہاران (ایضاً، ۶۸)
- وصف نوروز (ایضاً، ۷۳)
- وصف چتر سیہ (ایضاً، ۷۴)
- وصف چتر سپید (ایضاً، ۷۵)
- وصف چتر لعل (ایضاً، ۷۵)
- وصف چتر سبز (ایضاً، ۷۶)
- وصف چتر گل (ایضاً، ۷۷)
- وصف دُر (ایضاً، ۷۸)
- وصف تیغ (ایضاً، ۷۹)
- وصف کمان (ایضاً، ۸۰)
- وصف تیر (ایضاً، ۸۱)
- وصف رایت لعل وسیہ (ایضاً، ۸۲)
- وصف فصل گرما (ایضاً، ۱۰۶)
- وصف خربزہ (ایضاً، ۱۰۹)
- وصف کشتی (ایضاً، ۱۴۵)
- وصف اسپان (ایضاً، ۱۵۳)
- وصف شب قدر (ایضاً، ۱۵۹)
- وصف شمع (ایضاً، ۱۶۲)
- وصف نور چراغ (ایضاً، ۱۶۳)
- وصف سیر بروج (ایضاً، ۱۶۴)

- وصف اختر و طالع (ایضاً، ۱۶۷)
- وصف بادہ (ایضاً،۱۷۲)
- وصف قرابہ (ایضاً،۱۷۳)
- وصف صراحی (ایضاً،۱۷۴)
- وصف پیالہ (ایضاً،۱۷۴)
- وصف ساقی (ایضاً،۱۷۵)
- وصف چنگ (ایضاً، ۱۷۷)
- وصف رباب (ایضاً،۱۷۸)
- وصف نای (ایضاً،۱۷۹)
- وصف دف (ایضاً،۱۸۰)
- وصف پردہ و پردہ نشینان (ایضاً،۱۸۱)
- وصف مایدہ (ایضاً،۱۸۳)
- وصف بیرۂ تنبول (ایضاً،۱۸۵)
- وصف نغمہ گری (ایضاً،۱۸۶)
- وصف تاج (ایضاً،۱۸۹)
- وصف تخت (ایضاً،۱۸۹)
- وصف پیل (ایضاً،۱۹۰)
- وصف صبح (ایضاً،۱۹۵)
- وصف چشمۂ خورشید (ایضاً،۱۹۷)
- وصف فصل باران (ایضاً،۲۱۶)
- وصف قلم (ایضاً،۲۲۵)
- وصف کاغذ (ایضاً،۲۲۸)

وصف دہلی

مثنوی قران السعدین کے بعض قلمی نسخوں پر اس مثنوی کا نام ''مثنوی در صفت دہلی'' لکھا گیا ہے۔ غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر نظر مثنوی میں امیر خسرو نے جہاں مختلف اشیا کی صفات لکھی ہیں، وہاں دارالسلطنت دہلی اور اس عظیم الشان شہر کی تاریخی نوعیت کی مشہور و معروف عمارات کی شایان شان توصیف بھی شاعرانہ انداز میں کی ہے، کہ وصف نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

مثنوی قران السعدین کے اشعار کی مدد سے آثار قدیمہ کے محققین بھی استفادہ کر سکتے ہیں، اور مورخین کو بھی کیقباد کے عہد میں دہلی سے متعلق کئی طرح کی مستند معلومات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ شہر دہلی کو اس عہد میں قبۃ الاسلام کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا۔

قبه ی اسلام شده در جهان بسته ی او قبه ی هفت آسمان **(ایضاً،۲۹)**

امیر خسرو نے اس مثنوی میں دہلی کی جو تصویر کشی کی ہے اور اس شہر سے اپنے قلبی تعلق کی جو باتیں بیان کی ہیں، اُن سے شہر دہلی کی شخصیت خوب اجاگر ہونے لگتی ہے، تمدنی اور تہذیبی زندگی کے نقوش بھی اُبھرتے ہیں اور اس شہر دلنشیں کا حسن و جمال بھی نکھر کر سامنے آتا ہے۔

قران السعدین کے مطابق اُس وقت دہلی شہر دو قدیم اور ایک جدید فصیلوں یا حصاروں سے گھرا ہوا تھا، لوگوں کے گھر خوب صورت اور مکانات خوب آراستہ تھے۔ شہر کی آرائش و زیبائش کی جانب بھی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ دراصل یہ شہر ایک پہاڑی پر آباد تھا اور اس کے اردگرد باغات لگائے گئے تھے۔ ہر موسم میں خوبصورت پھول دیکھنے والوں کو مسحور کرتے تھے، مناظر دلفریب اور پرکشش تھے اور شہر کے بارونق بازار

ہندوستان اور اطراف کے ممالک کے پھلوں اور میوہ جات سے لبریز تھے۔ جامع مسجد، حوض سلطانی اور مینارہ وغیرہ جیسی عظیم عمارات کے اپنے جلوے تھے۔ جامع مسجد کے نو گنبد تھے۔ حوض سلطانی دو پہاڑوں کے درمیان تھا، اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس کی تہہ بھی نظر آتی تھی اور لوگ اس کا پانی پی لیا کرتے تھے۔ دریائے جمنا سے حوض سلطانی تک کئی نہریں نکالی گئی تھیں۔ یہاں لوگ تفریح کی غرض سے بھی آیا کرتے تھے۔ جمنا کے کنارے کیلوکھری کے مقام پر شاہی محل کا عکس دریا میں پڑتا تھا۔ باغ کے درختوں کی شاخیں محل کے اندر پہنچ گئی تھیں۔ امیر خسرو نے بہار اور خزاں دونوں موسموں کے جلال و جمال کو حد درجہ محسوس بنا دیا ہے۔

حضرت دهلی کنف دین و داد　　جنت عدن است که آباد باد (ایضاً،۲۸)

امیر خسرو کی شہر دہلی سے محبت گویا عشق کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ شہر دہلی کے نظام انصاف کی چار دانگ عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ ''دہلی عدن کی جنت ہے اور اس کے جمال پر نظر ڈالیے تو محسوس ہوگا کہ یہ باغ ارم ہے، یہاں تک کہ اس کا قصہ سن کر مکہ بھی اس پر عاشق ہو جائے، اور ہندوستان کا طواف کرنے لگے۔'' (شکیل الرحمٰن،۴۳)

هست چو ذات ارم اندر صفات　　حرّسها الله عن الحادثات
دورش از آنگاه که پُرکار شد　　دایره ی چرخ ز پر کار شد
حصن بیرونی اش ز عالم برون　　عالم بیرونش به حصن اندرون
حصن درونیش تو گویی مگر　　چرخ به زیرست و حصارش ز بر
قبه ی اسلام شده در جهان　　بسته ی او قبه ی هفت آسمان
ساکن او جمله بزرگان ملك　　گوشه به گوشه همه ارکان ملك
تخت گه تاجوران بلند　　گشته ز اقبال شهان بهره مند

(ایضاً،۲۸۔۲۹)

شہر پہاڑی پر آباد تھا اور اس کے ارد گرد میلوں تک باغات تھے، اور دریائے جمنا ان کی آبیاری کرتا تھا۔ ''امیر خسرو کو یہ خیال تو پہلے سے ملحوظ خاطر تھا کہ اشیا کی وصف نگاری کریں، اور اس کا نام بھی مجمع اوصاف تجویز کیا گیا تھا۔ کیقباد کی فرمائش ہوئی تو یہ قصہ نہایت مختصر تھا اور اس میں اتنا پھیلاؤ ممکن نہ تھا کہ ایک معقول مثنوی مرتب ہو سکے۔ عوامی دلچسپی کا سامان بھی اس قصہ میں موجود نہ تھا، لہٰذا امیر خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے فن سے ایک ایسا نگارستان بنا دیا کہ شاہ و گدا سبھی کے لیے موجب انبساط خاطر ہو۔'' (اسماعیل،۸۲)

وصف عوام: عوام الناس کی تعریف میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ لوگوں میں دوستی اور بھائی چارے کا جذبہ بہ درجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ لوگ علم دوست تھے اور انھیں ادب و موسیقی سے بھی بے پناہ دلچسپی تھی اور وہ ہر طرح کے

فنون کوسیکھنے کے شائق دکھائی دیتے تھے۔انسان دوستی اور باہمی احترام کے جذبات بیدار تھے۔لوگ علم ودانش کے متلاشی تھے۔انھیں شعر وادب اور موسیقی وطرب سے بھی کم دلچسپی نہیں تھی۔سپہ گری کا فن مقبول عام اور موجب احترام تھا۔عام لوگوں میں بھی اخوت اور بھائی چارے کا احساس حددرجہ پاکیزہ تھا۔

مـردم او جـمـلـه فـرشته سـرشت	خوش دل و خوش خوی چو اهل بهشت
هـر چـه ز صـنـعت به همه عالم ست	هسـت درایشـان و زیـادت هـم هسـت
بیشتـر از عـلـم و ادب بهـره مـنـد	و اهـل سـخـن خـود کـه شمارد که چند
هـر طـرفـی سـحر بیـانـی نوسـت	ریـزه چیـن کـمتر شـان خسرو ست

(امیر خسرو،ایضاً،۳۴)

یعنی اہل شہر دہلی سبھی فرشتہ سیرت اور اہل بہشت ہی کی طرح خوش باش وخوش اطوار ہیں۔دنیا بھر میں کوئی ایسا ہنر نہیں جس میں اہل دہلی نے کمال حاصل نہ کیا ہو، ہر طرف علم وادب کا دور دورہ ہے۔امیر خسرو تواضع اورانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں سبھی اہل شعر وسخن سحر بیان ہیں اوران میں سے ریزہ چیں اور کمتر تو خود میں ہی ہوں۔

وصف مسجد جامع: دہلی کی جامع مسجد سے متعلق حسب ذیل اشعار قابل غور ہیں:

مسـجـد او جـامـع فیض الـلـه	زمـزمـه ی خـطبـه ی او تـا بـه مـاه
آمـده در وی ز سپهـر کبـود	فیـض بـه یك خـوانـدن قـرآن فـزود
غـلـغـل تسبیـح بـه گـنبـد درون	رفتـه ز نُـه گـنبـد والا بـرون
هـر کـه سـعـادت بودش رهنمـای	بـر در او سـر نهـد آن گـاه پـای

(ایضاً،۳۰)

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مذکورہ مسجد کے نوگنبد تھے،اور مسجد کی چھت کے نیچے جابجا ستون بھی قائم تھے۔یہ وہی ستون تھے جو مذکورہ مسجد کی تعمیر سے پہلے رائے پتھورا کے مندر میں استعمال ہوئے تھے۔ان میں سے کچھ ستون اس وقت بھی موجود ہیں اور مسجد کے محل وقوع کی نشان دہی کرتے ہیں۔

وصف منارہ: فیروز شاہ تغلق (دوران حکومت:۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء) کے زمانے میں آسمانی بجلی کے گرنے سے مذکورہ مینار متاثر ہوا تھا، بعدازاں اس کی عمارت میں ترامیم واضافات ہوتے رہے،لیکن امیر خسرو کے زمانے میں یہ مینار اپنی اصلی حالت میں موجود تھا۔امیر خسرو کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مینار کے اوپر گنبد نما قبہ بنایا گیا تھا،جس کا بالائی حصہ غالباً سنہری تھا۔

امیر خسرو کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ مینار اصلی حالت میں سرخ رنگ کے پتھر کا تھا،جس کے اوپر ایک سنگ مرمر کا چتر بھی تعمیر کیا گیا تھا،کلس غالباً سونے کے تھے،افسوس ہے کہ معلومات کا دائرہ محض

یہاں تک ہی محدود ہے، امیر خسرو نے اپنے اشعار میں کہیں بھی اس سے متعلق ذکر نہیں کیا کہ اُس زمانے میں مذکورہ مینار کے کتنے درجے تھے۔

شکل منارہ چو ستونی ز سنگ　　از پی سقف فلك شیشه رنگ
دیدن او را کله افگند ماه　　بلکه فتادش گه دیدن کلاه
از پی بر رفتن هفت آسمان　　کرد زمین تا به فلك نرد بان

(ایضاً، ۳۰۔۳۱)

سقف فلک: تشبیہ بلیغ؛ سنگ، رنگ: جناس؛ ہنگام دیدن کلاہ افتادن: کنایہ؛ زمین: تجسیم؛ تا بہ فلک نردبان ساختن: نہایت بلندی کے اظہار کے لیے کنایہ، اغراق

یعنی اس مینار کو دیکھنے کے لیے چاند بھی بیتاب ہے، اور یہ کہ مینار اس قدر بلند ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے دستار بھی سر سے اتر جاتی ہے، گویا آسمان تک سیڑھی لگانا پڑتی ہے۔

وصف حوض: سلطان شمس الدین التمش (دوران حکومت: ۱۲۱۱ء۔۱۲۳۶ء) نے یہ حوض مستحکم پہاڑ میں اس طرح سے تعمیر کروایا تھا کہ گویا آب حیات کا آئینہ ہو، اور اسے حوض شمسی کہا جاتا تھا:

در کمر سنگ میان دو کوه　　آب گهر صفوت و دریا شکوه
ساخته ی سلطان سکندر صفات　　در سد کوه آئینه ز آب حیات

(ایضاً، ۳۲)

امیر خسرو حوض سلطانی کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ یہ حوض دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کے پانی میں موتیوں جیسی دلکشی اور سمندر جیسی شان ہے۔

نیم فلك هست به زیر زمین　　چون به تهش نیست زمین آن ببین
حوض نگویم که جهانی ز نور　　نور کزو دیده ی بد باد دور

(ایضاً، ۳۳)

اس کا پانی بھی اس قدر صاف وشفاف ہے کہ رات کے وقت بھی اس کی تہہ صاف دکھائی دیتی ہے، یہاں تک کہ لوگ اس حوض کا پانی پی بھی لیتے ہیں۔ دریائے جمنا سے حوض تک کئی نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔

شهر گر از وی نبود آب کش　　کس نخورد در همه شهر آب خوش
ور نخورد آب وی اندر زمین　　کی به زمین در خورد آبی چنین
گرد وی از اهل تماشا گروه　　دامن خیمه شده دامان کوه

(ایضاً، ۳۲۔۳۳)

اس تالاب کا پانی زمین میں جذب نہیں ہوتا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ پہاڑ کی وجہ سے حوض کا پانی زمین میں جذب نہیں ہوتا تھا بلکہ بہتا ہوا دریائے جمنا میں جا گرتا تھا۔ اس حوض کی موجیں دامن کوہ سے ٹکراتی

تھیں اور تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا۔ حوض کے درمیان ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک دلکش عمارت بھی قائم تھی، لوگ وہاں سیر و تفریح کی غرض سے آتے اور دامن کوہ میں خیمہ زن ہوا کرتے تھے۔

وصف موسم سرما: ایرانی تقویم کے مطابق دی ماہ موسم سرما کا پہلا مہینہ ہے۔ امیر خسرو کی منظر نگاری کو ملاحظہ فرمائیے کہ موسم سرما کی آمد، دنوں کے مختصر اور راتوں کے طویل ہونے کو کس عمدگی اور شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری مسحور ہوتا چلا جاتا ہے۔

زال جهان چرخ زدن كرد ساز — داد به شب رشته به غايت دراز

روز چنان تنگ مجال آمده — كش به گه چاشت زوال آمده

خنجر خور يك نقطه از خطّ شب — كرد حك و روز نهادش لقب

(ایضاً، ۳۸)

زال جہاں: تجسیم؛ رشتۂ دراز بہ شب دادن: کنایہ، حسن تعلیل؛ خنجر خور: تشبیہ بلیغ

وصف آتش: وصف آتش میں بھی امیر خسرو نے اپنی ہنرمندی اور شعری ذوق و استعداد کا بھرپور ثبوت کچھ یوں دیا ہے:

آتش از آن جا كه به دل جای كرد — دُود برآمد ز نفس های سرد **(ایضاً، ۳۹)**

یعنی چونکہ آگ نے دل میں جگہ کر لی ہے، اس لیے ٹھنڈی سانس سے بھی دھواں نکلتا ہے۔ یہ حسن تعلیل کی نہایت عمدہ مثال ہے کہ سردی کے سبب منہ سے جو بھاپ نکلتی ہے اس کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ دل میں آگ نے جگہ کر لی ہے اور دل میں جگہ کرنا کیا ہے، محبت و الفت ہی تو ہے۔

بس كه زبان آوری آموخته — جمله جهان را به زبان سوخته

تيغ زبان را چو گرفته به دست — روی ازو تافته هر كس كه هست

تيز چو شد خنجر آن گرم خوی — پشت نديدش كس ازو هيچ روی

(ایضاً، ۴۰)

امیر خسرو کے ہاں انسان و حیوان، چرند و پرند، نباتات و جمادات، گویا سبھی موجودات محو گفتگو رہتے ہیں۔ آگ اپنی زبان سے ساری دنیا کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ جب وہ زبان کی تلوار (تیغ زبان: تشبیہ بلیغ) کو ہاتھ میں لیتی ہے تو ہر کوئی اس سے دُور بھاگتا ہے۔ اس گرم فطرت کے تیز خنجر کے روبرو کوئی نہیں ٹھہر پاتا۔

وصف قصرِ نو شہر نو: یہ وہ قصر ہے جو معز الدین کیقباد نے کیلوکھری میں دریائے جمنا کے کنارے پر تعمیر کروایا تھا۔

قصر نگويم كه بهشتی فراخ — روفته طوبیٰ دَرِ او را به شاخ

بام سفيدش به فلك سود سر — كرد به خورشيد سفيدی ابر

پـای چـو مهتـاب بـه بـامـش نهـاد　　گشـــت ز دوران بـــه زمیــن اوفتـــاد
رفــــــت درون دَ رِ او آفتــــــاب　　وقف زمیــن کـــرد رُخ چـــرخ تـــاب
(ایضاً،۴۱)

یعنی اسے محل تو نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ تو ایک وسیع وعریض بہشت ہے، طوبیٰ کی شاخیں اس کے دروازے کے سامنے جھاڑو لگاتی ہیں۔ اس کی سفید چھت آسمان کو چھوتی ہے، چاند کے پاؤں (پای مہتاب: استعارہ مکنیہ، تجسیم) اس کی چھت پر پڑتے ہیں تو وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ سورج جب اس کے دروازے سے داخل ہوتا ہے تو زمین کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔

هـرچـه کـه نـقـاش به یك سو کشید　　عـکـــس بـــه دیـوار دگـر شـد پـدیـد
طـــرفـــه عـــروســی شـده آراستـــه　　آئیـــنـــــه از آب روان خـــاستـــــه
(ایضاً،۵۵)

یعنی مصور جو نقش ایک دیوار پر تخلیق کرتا ہے، اس کا عکس ہو بہو دوسری دیوار پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ محل تو گویا سجی سنوری دلہن ہے اور جمنا کا پانی اُس کا آئینہ، یعنی جمنا میں اس کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

وصف موسم خزاں

فـصـل خزان چون به چمن خانه ساخت　　بـــاد روان کـــرّه بـــه گـــلـــزار تـــاخـت
جــامــه ی خـود کـرده بـنـفشـه کـبـود　　گشـت چـوصـوفـی بـه رکـوع و سجود
نـــرگـــس بـی دیـده روان کـور وش　　خـــار عـــصـــا بـــاد خـزان کـور کـــش
از کـــرم شـــه کـــه عـــدو سـوز بـود　　فـــصـــل خـــزان مـــوســـم نـــو روز بـــود
(ایضاً،۵۸)

شاعر کی پروازِ تخیل کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح موسم خزاں کو مجسم کر دیا ہے، موسم خزاں چمن میں گھر کر رہا ہے، تیز ہواؤں نے گلزار کو تاخت و تاراج کر ڈالا ہے۔ درختوں نے بنفشی لباس زیب تن کر لیا ہے اور کسی صوفی با صفا کی طرح رکوع و سجود میں مصروف ہیں۔ نرگس بے دیدہ (استعارہ مکنیہ)، خار عصا (تشبیہ بلیغ) جیسی تراکیب دلکشی لیے ہوئے ہیں۔ بادشاہ کی سخاوت و شجاعت اور داد و دہش کا اظہار بھی دلکش پیرائے میں ملتا ہے۔

وصف موسم بہار: امیر خسرو نے تجسیم کے عمدہ نمونے تخلیق کیے ہیں۔ اس کے ہاں ابر، گل، غنچہ، آب سمن اور باد سبھی جاندار اور بیشتر تو انسانی صفات کے حامل اور موسم بہار کے پیامبر ہیں۔

فـصـل بهـــاران چـو عـلـم بـر کشیـد　　ابـــر ســـرا پـــرده بـــر اختـــر کشیــد

جـامــه ی گــل پـاره شـده بـر تـنـش	غـنـچـه گـره بـر زده بـر دامنـش
گـل زکـرم زر دهـد آن راکـه جُسـت	وز پـی خـود جـامـه نسـازد درسـت
آب سـمـن در چـهِ خـود مشك سـود	بـاد شـد آهـو تگ و مشکـش ربـود

(ایضاً،۶۸۔۶۹)

فصل بہاراں، ابر، گل، غنچہ اور آبِ سمن تجسیم کی مثالیں ہیں۔ بادِ صبا کسی ہرن کی طرح دوڑتی اور بوئے مُشک ہرسُو بکھیرتی ہے۔

وصفِ نوروز: ایرانی تقویم کی رُو سے فروردین سال اور موسم بہار کا پہلا مہینہ ہے۔ پس ماہ فروردین کے آغاز پر سال نو کی تقاریب بڑے پیمانے پر منعقد ہوتی ہیں۔ نوروز کے تہوار کا ذکر فارسی شعرا کے ہاں بکثرت ملتا ہے۔ امیر خسرو نے بھی نئے سال کی آمد کے مبارک موقع پر موسم کی خوشگوار تبدیلی کا ذکر دلفریب انداز میں کیا ہے۔

دور جهـان روز نـو از سـر گـرفـت	مـوسـم نـو روز جهـان در گـرفـت
شـاه دران روز هـم از بـامـداد	قـصـر فـلك مـرتبـه را تـاب داد
تـخـت زدنـد و تتـق آویـختـنـد	عـرش دگـر بـر زمیـن انـگیـختـنـد
چتـر ز هـر سـو بـه فـلك سر کشیـد	ابـر سـر از شـرم بـه چـادر کشیـد

(ایضاً،۷۳۔۷۴)

نئے سال کا آغاز گویا کائنات کا از سرِنو زندہ ہونا ہی ہے۔ اس عظیم الشان تہوار کے مبارک موقع پر محل کی آرائش بھی نئے سرے سے کچھ یوں کی جاتی ہے کہ گویا زمین کو ہی عرش میں بدل دیا جاتا ہے۔ بادلوں کا شرم کے مارے چادر اوڑھ لینا امیر خسرو ہی کا دلفریب تخیل ہے۔

وصفِ تیغ: تلوار کی شان و شوکت سے انکار بھلا کہاں ممکن ہے۔ امیر خسرو جیسا میدانِ عمل کا شاہسوار اس کی اہمیت و عظمت سے کہاں غافل رہ سکتا ہے۔

او بـه خـوشـی خفتـه میـان نیـام	خـواب مـخـالف شـده از وی حـرام
قیـمـت زر بیشتـر از آهـن اسـت	لیك زر از آهـن او روشـن اسـت
پـاره ی آهـن کـه بـه زر در خورسـت	حـرمـت آهـن نـه ازان زر سـت

(ایضاً،۷۹)

تلوار اگر نیام میں بھی ہو تو دشمن کی نیندیں حرام کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر چہ لوہے کی نسبت سونے کی قدر و قیمت زیادہ ہے لیکن تلوار کی حرمت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

وصفِ کشتی: مثنوی میں مختلف اقسام کی کشتیوں کی توصیف بیان ہوئی ہے جن میں سوار ہو کر کیقباد اور بغرا خان دریائے سرجو کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آیا جایا کرتے تھے۔

ساختہ از حکمت کار آگھان　　خانہ گردندہ بہ گرد جھان
نادرہ ی حکم خدای حکیم　　خانہ روان خانگیانش مقیم
گرچہ بہ دریا گزرد بیش و کم　　آب نباشد مگرش تا شکم
بگزرد ازآب و سوارش بہ خواب　　غرقہ نگردد چو سواران آب
با سبکی یار تواند کشید　　از سبکان بارکشیدن کہ دید؟
(ایضاً،۱۴۵)

شاعر نے کس خوبی سے کشتی کے محاسن گنوائے ہیں کہ ایک ایسا گھر جو رواں دواں ہے لیکن اس کے مکین ایک ہی جگہ مقیم ہیں۔ کشتی کس طرح دریا کی متلاطم موجوں پر سے گزرتی ہے اور اس میں سوار افراد محوخواب رہتے ہیں۔ خودتو سبک بار ہے لیکن سواروں کا بوجھ اٹھائے چلی جاتی ہے۔ کشتی کی صفات کو خانۂ گردندہ اور خانۂ روان جیسی تشبیہات سے روشن کیا گیا ہے۔

وصف اسپاں: آج سے تقریباً سات سوسال پہلے کی تہذیب کا تصور کیجیے، جب گھوڑے ہی سوار کی شان وشوکت اور عظمت و ہیبت کی علامت ہوا کرتے تھے، اسی تہذیبی پس منظر میں صفات اسپ کو نہایت اعلیٰ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، کبھی گھوڑے کی برق رفتاری کا ذکر ہے تو کبھی اس کی دلیری و جانبازی کی تعریف میں شاعرانہ مبالغہ آرائی اور حسن تعلیل سے کام لیا گیا ہے۔

تیر تگان ھمہ تازی نژاد　　چون دمہ ی آتش و ابنان باد
تیز تگ و گوش چو پیکان پدید　　بر سر یك تیر دو پیکان کہ دید؟
از ھنر آراستہ پا تا بہ فرق　　گاہ روش ابر بہ خستن چو برق
کوہ گران لیك گران سنك نی　　یك تگ شان جز بہ دو فرسنگ نی
آب روان از پی صحرا بگشت　　باد صبا از پی گلگشت دشت
پیکر آن راہ نوردان پاك　　باد مجسم شدہ بر روی خاك
تیزی خنگانِ محیط آزمون　　آب برد از فلك نیلگون
(ایضاً،۱۵۴۔۱۵۵)

وصف پان: پان کو ہندوستان کی پُر اسرار سرزمین کا تحفہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ امیر خسرو نے بھی پان کے پتے کو پھول اور پھر نبات سے تشبیہ دیتے ہوئے ہندوستان کی سب سے بڑی سوغات قرار دیا ہے، بعد ازاں اس کی جملہ خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔

بیرۂ تنبول کہ صد برگ بست　　چون گل صد برگ بیامد بہ دست
نادرہ برگی چو گل بوستان　　خوب ترین نعمت ھندوستان

طـرفـــه نبـاتـی کــه چـو شـد در دهـن   خـونـــش چـو حیـوان بــه در آیـد ز تن
خـــوردن آن بــوی دهـــن کــم کــنــد   سستــی دنــدان هــمــه مـحـکـم کـنـد
سیـــر خـــورد گـــرسـنـــه در دم شـود   گــرسـنـــه را گــرسـنـگـی کـم شـود
(ایضاً،۱۸۵۔۱۸۶)

یعنی پان کا پتا دہن کی ناگوار بو کو کم کرتا اور دانتوں کی مضبوطی کو بڑھاتا ہے، مزید یہ کہ اگر شکم سیر شخص پان کھائے تو اس کی بھوک کو بڑھاتا ہے اور اگر کوئی بھوکا شخص کھائے تو اس کی بھوک کو کم کرتا ہے۔

ســرخـــی رویـش ز سه خدمـت گـرش   چــو نـــه و فــوفــل شــده رنگ آورش
گـر چـه کـه آبـش بـه نـوی هست بیش   کهـنــه شـود بیـــش کـند آب خویـــش
(ایضاً،۱۸۶)

یعنی اگرچہ نئے پان کی آبداری زیادہ ہوتی ہے، لیکن پرانے کی آب اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

بــرگ کـــه بـــاشـد بــه درختـان فـراخ   زود شـــود خشك چـــو افتــد ز شـــاخ
بــرگ عــجـب بیـن کـه گسستـــه ز بـر   وز پـــس شــــش مـــاه بـود تـازه تـر
(ایضاً)

وصف پیل

پیـل چـو کـوهــی کــه بـود بی سکون   چـــار ستـــون زیـر کُــــهِ بـی ستـون
پیـــچـــش خـــرطـوم بــه سـان کـمـنـد   اژدری افتــــاده ز کـــوه بـــلـــنـــد
در زمیـــن آنـــجـــا کـــه ســر افـراختـه   مـــار ز ســـر غـــار ز پـــا ســـاختـــه
کشتــی عـــاج ســت تـو گـویی روان   گشتــه دو گـوشـــش ز دو سـو بـاد بـان
(ایضاً،۱۹۰۔۱۹۱)

ہاتھی کو زمانۂ قدیم ہی سے سرزمین ہندوستان کی پہچان کہا جاتا رہا ہے۔ امیر خسرو نے بھی وصف پیل میں تازہ تشبیہات تخلیق کی ہیں، اور اسے کوہِ بی ستون کے مماثل اور پھر اس کی چار مضبوط ٹانگوں کو چار ستون قرار دیا ہے۔ وہ ہاتھی کی سونڈ کو کمند اور بلند پہاڑ سے نیچے گرنے والے اژدھے سے تشبیہ دیتے ہیں اور بعدازاں ہاتھی دانت کو کشتی اور اس کے بڑے بڑے کانوں کو کشتی کا بادبان سمجھتے ہیں۔

مثنوی قران السعدین کے قاری کو گمان گزرتا ہے کہ اس تاریخی داستان کے گویا سبھی کردار اس کے ذہن میں مجسم ہو چکے ہیں، اور وہ اُن کے احوال واطوار، اخلاق وخصائل اور عادات ورجحانات سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا ہے۔ مصوّر اور شاعر میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ ایک مصور منظر کی عکاسی کرتے ہوئے خارجی

مناظر کی مدد سے باطنی کیفیات کی جھلک دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے برعکس ایک شاعر اکثر اوقات داخلی پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہوا چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی ہستیوں کو ہمارے روبرو پیش کر دیتا ہے۔ واقعیت کے دونوں پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا اور اُن کو کامیابی کے ساتھ شاعرانہ نقاشی کی صورت کام میں لانا چنداں آسان نہیں ہے۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امیر خسرو کو شاعری کی ان نزاکتوں کا بخوبی اندازہ تھا اور وہ ان دشوار گزار گھاٹیوں سے نکلنا بھی بخوبی جانتے تھے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) شبلی نعمانی نے امیر خسرو کا سال تولد ۶۵۰ھ قرار دیا ہے۔ (شبلی نعمانی، شعر العجم، ج۲، ص۸۲) رضا زادہ شفق نے ۶۵۱ھ لکھتے ہوئے امیر خسرو کا یہ شعر بھی درج کیا ہے۔ (شفق، ۳۰۷):

کنون که شش صد و هشتاد و چار شد تاریخ مرا ز سی و سه آمد و نوید سی و چهار

جس کے نتیجے میں سال پیدائش ۶۵۱ھ ہی درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۲) قران السعدین امیر خسرو کی پہلی طویل مثنوی ہے، البتہ قبل ازیں انھوں نے چند ایک مختصر مثنویاں بھی رقم کیں۔

(۳) نظامی گنجوی کی پانچ مثنویاں: ۱۔مخزن الاسرار، ۲۔خسرو وشیرین، ۳۔لیلی ومجنون، ۴۔ہفت پیکر، ۵۔اسکندر نامہ

(۴) نظامی گنجوی کی پیروی میں امیر خسرو کی پانچ مثنویاں:

۔مطلع الانوار ۔شیرین وخسرو ۔مجنون ولیلی ۔ہشت بہشت ۔آئینۂ اسکندری

(۵) امیر خسرو کے بعد مولانا عبدالرحمٰن جامی (۱۴۱۴ء۔۱۴۹۲ء)، فیضی فیاضی (۱۵۴۷ء۔ ۱۵۹۵ء) اور عرفی شیرازی (۱۵۵۵ء۔۱۵۹۱ء) جیسے شعراء نے بھی نظامی کی پیروی میں مثنویاں لکھیں۔

(۶) امیر خسرو کی طبع زاد تاریخی مثنویاں:

۔قران السعدین ۔نہ سپہر ۔مفتاح الفتوح ۔دول رانی خضر خان ۔تغلق نامہ

(۷) اودھ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا تاریخی اہمیت کا حامل شہر ہے۔

منابع

- آنندراج (۱۳۶۳ش)، فرہنگ آنند راج از محمد بادشاه، بہ کوشش دبیر سیاقی، انتشارات امیر کبیر، تہران
- اسماعیل، مولانا محمد (۱۹۱۸ء) مقدمه مثنوی قران السعدین، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- امیر خسرو (الف) (۱۳۱۶۲ش) خمسۂ امیر خسرو، بہ کوشش امیر احمد اشرفی، چاپ اول، انتشارات شقایق، تہران
- ایضاً (ب) (۱۴۱۰ھ) دیباچۂ دیوان تحفة الصغر، بہ کوشش سید علی حیدر، ادارۂ تحقیقات ادبی فارسی، پٹنہ، بہار

- ایضاً(ج)(۱۹۷۵ء)دیباچۂ دیوان غرۃ الکمال ،بہ کوشش وزیرالحسن عابدی،نیشنل کمیٹی برائے سات سوسالہ تقریبات امیرخسرو،نیشنل بک فاؤنڈیشن،مطبع عالیہ،لاہور
- ایضاً(د) (۱۹۷۹ء)مثنوی قران السعدین ،بہ کوشش سیداحمدحسن دانی،مرکزتحقیقات ایران وپاکستان،اسلام آباد
- ایضاً(ھ)(۱۹۱۸ء)مثنوی قران السعدین،مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- ایضاً(و) مثنوی قران السعدین (بی تا)،مطبع نول کشورلکھنؤ
- ایضاً(ز)(۱۹۷۳ء)کلیات غزلیات خسرو ،تدوین وتصحیح اقبال صلاح الدین،تجدیدنظروزیرالحسن عابدی،طبع اول،پیکجز،لاہور
- امیرخسرو(ح)(۱۹۷۷ء)،کلیات قصائدامیر خسرو،بہ کوشش اقبال صلاح الدین،جلداول،طبع اول، پیکجز،لاہور
- برنی،سیدحسن(۱۹۱۸ء)تمہید مثنوی قران السعدین،مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- جعفری،ریاض(۲۰۱۸ء)، طوطی امیر خسرو،طوطی ہند،مترجم مسعودمفتی،سیوننھ سکائی پبلی کیشنز،لاہور
- دہخدا،علی اکبر(۱۳۷۲ش)،لغت نامۂ دہخدا،انتشارات دانشگاہ تہران،تہران
- سلیمان اشرف،محمد(۱۹۱۸ء)دیباچۂ مثنوی ہشت بہشت،مطبع انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ
- شبلی نعمانی()(بی تا)،حیات خسرو،قومی پریس،دہلی
- شبلی نعمانی(۱۹۸۵ء)شعر العجم،جلددوم،مطبع معارف،اعظم گڑھ
- شفق،رضازادہ()تاریخ ادبیات ایران،تہران
- شکیل الرحمٰن(۱۹۹۶ء)امیرخسرو کی جمالیات،موڈرن پبلشنگ ہاؤس،دریا گنج،نئی دہلی
- عمید،حسن(۱۳۶۴ش)،فرہنگ عمید،انتشارات امیرکبیر،تہران
- قاضی نورالحق،نورمحمد(۱۹۷۵ء)،نور العین ،شرح قران السعدین،نیشنل کمیٹی برائے سات سوسالہ تقریبات،نیشنل بک فاؤنڈیشن،مطبع عالیہ،لاہور
- مرزا،وحید(۲۰۰۶ء)امیرخسرو، سوانح عمری،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی
- معین،محمد(۱۳۸۸ش)،فرہنگ فارسی ،انتشارات امیرکبیر،تہران
- نظامی گنجوی(۱۳۶۶ش)خمسۂ نظامی ،بامقدمہ شبلی نعمانی،بہ کوشش م۔درویش،انتشارات جاویدان،تہران